ایک دن کی تساہلی کا خمیازہ پانچ سال تک بھگتنا پڑسکتا ہے!

شیخ نثار احمد تمبولی، دھولیہ

9372822580

آزادی کے بعد لوک سبھا کا پہلا الیکشن، ۲۱ فروری ۱۹۵۲ء اور اسکے بعد ۱۴ روی لوک سبھا الیکشن ۱۰ رمئی ۲۰۰۴ء کو مکمل ہوا۔ ۱۹۵۲ء سے لیکر ۲۰۰۴ء تک لوک سبھا الیکشن میں بالخصوص مسلمانوں کی ووٹ شرح اظہر من الشّمس کی طرح ہے۔ ۵۹ ربرسوں میں صرف اور صرف ۱۴ ردن یعنی ۲۱۵۳۵ ردنوں میں سے ۱۴ ردنوں کے چند گھنٹوں کی قربانی نہ دینے کا خمیازہ ہمیں بھیانک حد تک بھگتنا پڑ رہا ہے۔ ہم اگر ۲۱۵۳۵ ردنوں میں سے صرف ۱۴ ردنوں کے چند گھنٹوں کا منظّم طریقے سے ایک لائحہ عمل بنا کر استعمال کرتے تو یقیناً پارلیمینٹ میں ہمارے نمائندے کبھی نہ کبھی گورنمینٹ بل یا پرائیوٹ ممبر بل کے ذریعہ آئینِ ہند کی دفعہ ۲۹، ۳۰ اور A۳۵۰ (جو سوائے سراب کے کچھ بھی نہیں ہیں) جو اقلیت کے تعلق سے آئین میں درج ہیں ان میں ترمیم لا کر ان دفعات کو اتنی موثر اور ٹھوس شکل دے سکتے تھے جس طرح شیڈ ولڈ کاشٹ، شیڈ ولڈ ٹرائب اور اینگلو انڈین طبقات کے لئے آئینِ ہند کی دفعہ ۳۳۰ تا ۳۴۰ میں موجود ہیں۔

۵۹ رسالوں میں ۱۴ ردنوں کے صرف چند گھنٹوں کی عدم قربانی کا ہی نتیجہ ہے کہ ملک ہند کے سات نیشنل کمیشن کا جب نیشنل مائینا ریٹی کمیشن سے تقابلی مقابلہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ہمارے کمیشن کو قانونی طور سے کس طرح ناکارہ اور کمزور کر دیا گیا ہے۔ ہمارے چند گھنٹوں کی تساہلی کا ہی نتیجہ ہے کہ Memorandum Of Safeguards For Linguistic Minorities Issued By The Ministry Of Home Affairs In 1956 کے تحت لِسانی اَقلیت کے تحفظ کیلئے تمام ریاستوں کے وُزرائے اعلیٰ سے مشورہ کے بعد حکومت ہند نے بالخصوص یہ وعدہ کیا تھا کہ اقلیتی اداروں کے ماتحت چلنے والے تمام اسکول کو مروجہ قوانین کے مطابق گرانٹ دی جائیگی۔ لیکن مروجہ قوانین میں تا دمِ تحریر گرانٹ کا ذکر ہونے کے باوجود بھی ہزاروں اقلیتی اداروں کے ماتحت چلنے والے مدارس سالہا سال سے گرانٹ سے محروم رکھے گئے ہیں۔ وجہ صاف ہے کہ ہاؤس میں کسی بھی مسلم نمائندہ نے ۱۹۵۶ء کے محکمۂ داخلہ کے میمورنڈم کی یاد دہانی کروانے کی کوشش نہیں کی۔

گجرات فساد ہو یا ممبئی بم بلاسٹ، اس قسم کے المیہ سال دو سال میں وقفہ وقفہ سے ہوتے رہتے ہے۔ بیشک مذہبی منافرت اور ملک دشمن عناصر ملک عزیز کے لئے ایک بھیانک خطرہ بنا ہوا ہے لیکن اس سے بھی بڑا خطرہ خود ملک کے انتظامیہ میں شامل اکثریت سے ایسے بیوروں کریٹس کی شکل میں موجود ہے جو 24x7 کی مناسبت سے ملکِ عزیز کو کھوکھلا تو کرتا ہی جا رہا ہے لیکن ان کی زعفرانی ذہنیت ہماری ترقی و ترویج کیا ہماری بقاء کو ہی ختم کرنے پر تُلی ہوئی ہے۔ وجہ صاف یہ ہیکہ آج تک ہاؤس میں ہمارا کوئی ایسا نمائندہ نہیں پہنچ پایا جو قانونی بیداری اس حد تک رکھتا ہو کہ ایسی ذہنیت کے بیورو کریٹس کی شناخت کر سکیں اور اُن پر لگام لگوا سکے۔

۱۴ روی لوک سبھا کے ۱۳ رویں سیشن میں جو گورنمینٹ بل زیرِ غور ہیں اُنکی تعداد ۳۴ رہیں جسمیں اَقلیت کے تعلق سے صرف اور صرف ایک بل ہے مزید یہ کہ پرائیویٹ ممبر بلز کی تعداد ۲۷۰ رتک ہیں جسمیں سے ایک بھی بل اَقلیت یا مسلمانوں کے تعلق سے نہیں ہے۔ اَفسوس کی بات یہ ہیکہ ہاؤس میں موجود انگنت مسلم نمائندوں میں سے صرف عبداللہ کُٹّی اور اقبال احمد سردگی کی طرف سے پیش کردہ پرائیویٹ بل ہاؤس میں زیرِ غور ہیں۔ حالانکہ یہ بل عام معاملات سے وابستہ ہیں اقلیت کے تعلق سے نہیں۔

گرام پنچایت، گرام پالیکا، میونسپل کونسل، میونسپل کارپوریشن کے الیکشن کا معاملہ جب جب آتا رہا ہے تب تب ہمارے ووٹ کی شرح امتیازی حیثیت سے بڑھتی ہی جا رہی ہیں وہ اس لئے نہیں کہ اس کے پیچھے قومی خدمت کا جذبہ کارفرما رہا ہو بلکہ یہ کڑوی حقیقت ہے کہ یہاں معاملہ عموماً ووٹ کی بڑے پیمانے پر خرید و فروخت، کالے دھندوں میں ملوس افراد کے تحفظ کے لئے پولس کے مخبر اور دلالوں کو رتبہ دینے کا، ذات برادری، اور اقرباء پروری سے تعلق رکھتا ہے۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینا چاہئیے کہ اگر ہم قوم وملت کی ترقی چاہتے ہیں تو لوکل الیکشن سے بڑھ کر پارلیمینٹ کے الیکشن میں ووٹ گزارنے کے تعلق سے ہمیں جان ڈالنی ہی ہوگی۔ اگر ہم الیکشن کے کافی دن پہلے ہی یہ مصمّم ارادہ کر لیں کہ ہمیں ووٹ دینا ہی ہے تو فطری طور سے ہم اس تیاری میں بھی لگ جائیں گے کہ ہمارے ووٹ کا مستحق کون ہے۔

جب جب الیکشن کمشنر کی جانب سے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے نئے ووٹرس کے ناموں کے اندراج اور ووٹر لسٹ میں خامیوں کے تعلق سے اشتہار دیا جاتا ہے تو عام طور سے ہمارے کان پر جوں نہیں رینگتی لیکن موقع چلے جانے کے بعد الیکشن جب منہ پہ آتا ہے تو ہر جگہ ایک ہی چرچہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو منظّم سازش کے تحت الیکشن سے دور رکھنے کے لئے، انکے نام الیکٹرول رول سے نکال دیئے گئے ہیں یا انکے ناموں میں قصداً گڑبڑ کر دی گئی ہیں۔

بحرِ حال ہم ابھی سے اپنے اپنے علاقوں میں جن ووٹرس کے نام میں کوئی ایسی ٹیکنیکل خامی آگئی ہیں جو عین وقت پر انھیں اپنے ووٹ گزارنے سے محروم کر سکتی ہے

ان سے رابطہ قائم کر کے ان کو اس بات سے متلاء کر دے کہ اگر ان کے پاس الیکشن شناختی کارڈ نہ ہو تو الیکشن کمیشنر کے اعلان کے مطابق ۱۷ دستاویزات میں سے ایک دستاویز کی بناء پر ووٹرس اپنا حق ادا کر سکتے ہیں۔ اِن ۱۷ دستاویزات میں شامل ہیں، پاسپورٹ، ڈرائیونگ لائسنس، انکم ٹیکس پین کارڈ، سرکاری یا غیر سرکاری اداروں کے ملازمین کو اپنے محکمہ سے ملے شناختی کارڈ، بینک یا کسان پتر یا پوسٹ پاس بک، الیکشن کے اعلان ہونے سے پہلے کی تاریخ کا ریشن کارڈ، ذات کا داخلہ، طلباء کے کالجوں کے شناختی کارڈ، پراپرٹی دستاویز، اسلحہ لائسنس، پینشنر پاس بک، پینشنر پیمنٹ آرڈر، مرحوم پینشنر کی بیوہ یا اس پر منحصر افراد کو دیا جانے والا داخلہ، الیکشن کے اعلان کے پہلے دیا گیا ریلوے پاس، معذ افراد کا داخلہ، جنگِ آزادی میں شامل افراد کا داخلہ۔ ہم آج اور ابھی سے ہی ٹھان لیں کہ الیکشن کے دن ہمیں ووٹ گزاری کے علاوہ کوئی بھی کام نہیں کرنا ہے، اتنا ہی نہیں الیکشن کے دن یا اس کے پہلے دن نہ باہر جانا ہے، نہ کسی مصروفیات میں خود یا دوسروں کو مصروف رکھنا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ایک ٹارگیٹ بنالے کہ ہمیں اپنے علاوہ الیکشن کے دن کم از کم دس ووٹرس کو ووٹ گزارنے پر مجبور کرنا ہے۔

وقت کا تقاضہ ہے کہ ہر قصبہ، گاؤں، شہر میں ایسی تنظیمیں کام شروع کر دیں جن کا نصب العین مسلمانوں میں علمی، قانونی، سماجی اور سیاسی بیداری پیدا کرنا ہو۔ جب بھی الیکشن قریب ہو تو ایک خاص نصب العین کے تحت اپنے اپنے گاؤں، قصبہ اور شہر کے افراد کا نام ووٹر لسٹ میں درج کروانے اور ووٹر لسٹ میں درج شدہ افراد کے نام یا کسی اور معاملہ میں ووٹ دینے میں ٹیکنیکل دشواری آنے کا خدشہ ہو تو اسے ایک منظم مہم چلا کر اسکی اصلاح کر لیں۔ ہر علاقے کے NGO چاہے وہ کسی بھی شعبہ میں کام کر رہے ہو وہ اب اس کوشش میں لگ جائے کہ اپنے اپنے علاقوں سے سو فیصد ووٹ کس طرح گذارے جائے۔ اسکول ٹیچرس اپنے اپنے کلاس میں دس دس بچوں کا گروپ بنا کر ان گروپ پر ایک گروپ لیڈر تعنات کر کے ہر گروپ کے بچوں کے گھر والے دوپہر کے پہلے پہلے ووٹ گذار دے ایسی کوشش میں بچے لگے رہیں اتنا ہی نہیں دوپہر ۲ بجے گروپ لیڈر کی میٹنگ لے کر ووٹ گزاری کے تعلق سے رپورٹ حاصل کرے اور ضرورت پڑنے پر خود اساتذہ اپنے تئیں کوشش میں لگ جائیں۔ الیکشن کے دن عموماً یہ بات تجربہ میں آتی ہیں کہ اکثریت سے ہندو بھائی پوجا پاٹ کر کے اگر کوئی پہلا کام کرتے ہیں تو وہ ہے ووٹ گزاری کا۔ اسی طرح ہم بھی یہ معمول بنالیں کہ الیکشن کے دن فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد زیادہ سے زیادہ ووٹ گزاری کیسے ہو اس کی فکر میں لگے رہیں۔

جب جب بھی سیاسی حکمرانوں پر مصیبت کے بادل منڈھلاتے ہیں تو وہ اکثر و بیشتر چند علماؤں کو منترالیہ میں وفد لانے پر ورغلاتے ہیں یا تو علماء کے دفتر میں یا کسی درگاہ میں خود حاضری لگا کر الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے علماء کے ساتھ گفت شنید کے معاملہ کو مشتہیر کرواتے ہیں۔ اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ حاکم وقت بھی علمائے کرام کا کس قدر محتاج ہوتا ہے۔ لہٰذا علمائے کرام اپنی اہمیت اور مرتبہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کوئی ایسا طریقۂ کار اختیار کرے کہ مسلمانوں کے ووٹ کا فیصد امتیازی حیثیت تک پہنچ جائے۔

رہا عام لوگوں کا معاملہ تو انھیں چاہئے کہ اپنے دوست واحباب اور رشتہ دار سے موبائل یا فون پر الیکشن کے دن جب بھی کوئی بات کریں تو صرف یہی کہ اپنے اپنے علاقوں میں ووٹ گزاری کا معاملہ کہاں تک پہنچا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ الیکشن کے دن بھی حسبِ معمول اکثریت سے مسلمانوں میں لفظ ''اونھ'' پیچھا نہیں چھوڑتا اور اسی ''اونھ'' کا خمیازہ کبھی کبھی بڑے پیمانے پر بھگتنا پڑتا ہے۔ جس کی ایک زندہ مثال یہ ہے کہ حکومت مہاراشٹر کے ایک سٹنگ منسٹر صاحب پچھلے ایک الیکشن میں صرف دس یا بارہ ووٹوں سے شکست کھا گئے تھے جب کہ انکے گھر کے اٹھارہ افراد جب ووٹ گزانے الیکشن بُت پہنچے تو وقت ختم ہو چکا تھا۔ شومیٔ بخت یا شوریدۂ بخت کہیے کہ مکاں کو آگ لگی مکی کی تسائلی۔